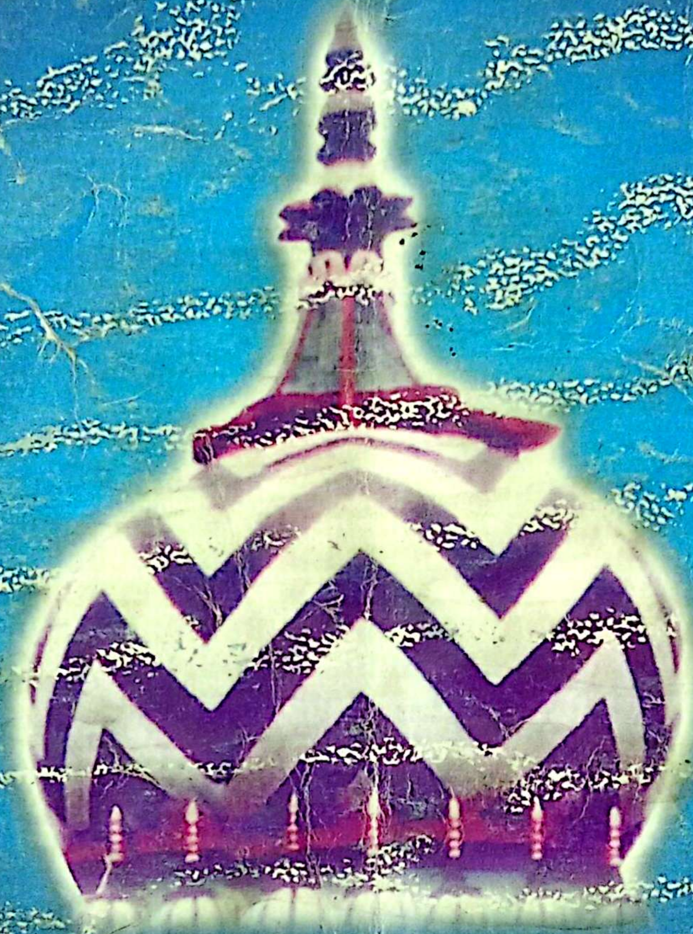
اقبال مسلک رضا کے آئینے میں



ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

ناشرین

رضا اسلامک اکیڈمی بریلی شریف (بھارت)

رضا اکیڈمی اسٹاک پورٹ (برطانیہ)

CamScanner

اقبال

مسلکِ رضا کے آئینے میں

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی

۱۰۴ / جسولی، بریلی شریف

ناشرین

رضا اسلامک اکیڈمی، بریلی شریف

رضا اکیڈمی، اسٹاکپورٹ، (برطانیہ)

ڈیزائننگ:- عتیق احمد حشمتی (شجاع ملک)

حرفے چند

الحاج محمد الیاس کشمیری
بانی وچیئرمین، رضا اکیڈمی، اسٹاکپورٹ (برطانیہ)

بدمذہبوں اور جدیدیوں نے شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کو انہیں کے ہم عصر عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیت، مجدد اسلام، امام احمد رضا سے کسی بھی طور قریب نہ ہونے دیا، علاوہ ازیں خود ہمارے اپنے صاحبانِ علم وقلم نے بھی امام احمد رضا اور اقبال کے تعلق سے بہت ہی کم لکھا اور اس جانب کوئی خاص توجہ نہیں دی۔

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی جنہوں نے رضویات پر مختلف جہات سے کام کیا ہے، نے امام احمد رضا اور اقبال کے تعلق سے لکھنے کی طرف توجہ دی۔ اقبال کے مسلک وعقیدہ پر اپنی جبری چھاپ لگانے والے بدمذاہب کی کوششوں اور ان کے پروپیگنڈوں کو ناکام کرنے نیز اقبال کی بابت مسلمانان اہل سنت کی غلط فہمی دور کرنے کی خاطر ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی نے زیر نظر رسالہ لکھا۔

ڈاکٹر عزیزی نے جو کچھ لکھا ہے دلائل وشواہد کی روشنی میں لکھا ہے۔

یہ ٹھیک ہے اقبال کا امام احمد رضا سے تعلق نہیں تھا۔ انہوں نے ان کے کارنامہ تجدید کی بابت کوئی تأثر پیش نہیں کیا لیکن جب ہم اقبال کے کلام، اقوال اور ان کی زندگی کے مختلف گوشوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کا مسلک ٹھیک وہی سامنے آتا ہے جسے امام احمد رضا نے پیش فرمایا اور آج جس مسلک حق، مسلک اہل سنت کو مسلک امام احمد رضا کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر عزیزی نے اس رسالہ کا نام ''ڈاکٹر اقبال مسلک رضا کے آئینے میں'' میں رکھا۔ قارئین کرام رسالہ کو پڑھ کر اپنی رائے سے ضرور نوازیں۔ امید ہے یہ رسالہ مقبول ہوگا۔

شاعر مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبالؔ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں البتہ اقبالیات پر بہت کچھ کام ہو جانے کے باوجود بھی مزید گوشوں اور پہلوؤں سے اقبالؔ کی شخصیت لائق غور و فکر ہے بالخصوص ان کے عقیدہ و مسلک کے تعلق سے۔

سیرت اقبالؔ

جدید تحقیق کے مطابق اقبالؔ ۹ رنومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد شیخ نور محمد صاحب مرحوم صاحب علم و عمل تھے۔ تصوف سے خاص لگاؤ تھا۔ وہ سلسلۂ قادریہ میں قاضی سلطان احمد (آوان شریف، ضلع گجرات، پاکستان) سے بیعت تھے اور اقبالؔ کو بھی انہیں سے بیعت کرایا تھا اور تربیت خود فرمائی تھی۔ اقبالؔ کی والدہ ماجدہ بھی عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں، گھر کا ماحول خالص دینی تھا۔ اقبالؔ کی ابتدائی تعلیم قدیم طرز کے مکتب میں ہوئی پھر سیالکوٹ کے مشن اسکول میں داخل کیے گئے جہاں مولوی میر حسن جیسے فاضل استاد سے عربی فارسی زبان میں اہلیت حاصل کی۔ مشن اسکول سے فارغ ہو کر لاہور کے گورنمنٹ کالج سے بی، اے اور ایم، اے میں امتیازی حیثیت سے کامیابی حاصل کی۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اقبالؔ اورنٹیل کالج، لاہور میں لکچرر ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد یعنی ۱۹۰۵ء میں مزید تعلیم کے حصول کے لئے انگلستان گئے وہاں کیمبرج یونیورسٹی سے فلسفۂ اخلاق پر ڈگری حاصل کی اور بیرسٹری کا امتحان بھی پاس کیا۔ کیمبرج سے فراغت کے بعد جرمن کی میونخ یونیورسٹی سے "ایران کی مابعد الطبیعیات" پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ کچھ دنوں وہ لندن یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر بھی رہے۔ ۱۹۰۸ء میں وطن لوٹے اور گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر ہو گئے ساتھ میں بیرسٹری کی پریکٹس بھی شروع کر دی۔ کچھ دنوں بعد کالج کی ملازمت سے سبکدوشی حاصل کر صرف پریکٹس پر قناعت کی۔

۱۹۲۳ء میں اقبالؔ کو حکومت برطانیہ نے "سر" کا خطاب دیا اس پر لوگ ان

کی طرف سے مشکوک ہوئے کہ شاید انگریزوں نے انہیں خطاب دیکر ان کی زبان بند کردی ہے۔ اسکی تردید کرتے ہوئے انہوں نے اعلان کیا:۔ "قسم ہے خدائے ذوالجلال کی جس کے قبضے میں میری جان اور آبرو ہے اور قسم ہے اس بزرگ و برتر وجود کی جس کی وجہ سے مجھے خدا پر ایمان نصیب ہوا اور مسلمان کہلاتا ہوں، دنیا کی کوئی طاقت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ اقبالؔ کی زندگی مومنانہ نہیں لیکن اس کا دل مومن ہے"

وفات

۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء/ ۱۳۵۷ھ کو لاہور میں ڈاکٹر اقبالؔ کا انتقال ہوا۔

ادوار شاعری

اقبالؔ کی شاعری کا دور اول ۱۹۰۵ء میں ختم ہوتا ہے۔ اس دور میں انہوں نے انگریزی نظموں کے منظوم ترجمے کیے۔ بیشتر نظموں میں ان کے فلسفۂ خودی کی جھلک نظر آتی ہے۔ ۱۹۰۵ء میں جب یورپ گئے تو سن مذکور سے دوسرے دور کا آغاز ہوتا ہے جو ۱۹۰۸ء پر ختم ہوتا ہے۔ تیسرا دور سن ۱۹۰۸ء سے شروع ہو کر ۱۹۲۴ء میں ختم ہوتا ہے۔ اس دور میں انہوں نے زیادہ تر فارسی میں لکھا شاعری کا موضوع فلسفہ خودی و بے خودی ہے۔ اس دور کی شاعری وطنی محبت سے آزاد عشق رسول میں سرشاری کی شاعری ہے۔ ۱۹۱۵ء میں "مثنوی اسرار خودی" پیش کی ۱۹۱۸ء میں "مثنوی رموز بیخودی" ۱۹۲۲ء میں "پیام مشرق" ۱۹۲۴ء میں "بانگ درا" شائع ہوئی پھر "زبور عجم"۔

۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۸ء کا زمانہ اقبالؔ کی شاعری کا چوتھا اور آخری دور ہے اور ان کے فکر و بیان کا حاصل ہے۔ ۱۹۳۲ء میں "جاوید نامہ" شائع ہوا، ۱۹۳۵ء میں "بال جبریل" اور ۱۹۳۶ء میں "ضرب کلیم"۔ اقبالؔ کے انتقال کے بعد ۱۹۳۸ء میں ان کا

آخری مجموعہ کلام ''ارمغان حجاز'' شائع ہوا جس کا یہ آخری شعر پیام اقبال کا جوہر ہے۔

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

عقائد اقبال پر بھانت بھانت کے اقوال

ڈاکٹر اقبال کے فکر و فن کی طرح ان کے عقیدہ و مسلک کو بھی پیچیدہ اور مشکوک بنا دیا گیا ہے اور یہ سب کچھ ان کے ناقدین اور شارحین نے ان کے فکر و فن کی شرح اور جائزہ نگاری کے حوالے سے ہی کیا ہے۔

ڈاکٹر اقبال وسیع المشرب تھے، مختلف مکاتب فکر کے اہل علم و دانش سے ان کے روابط اور تعلقات تھے اور ان میں بہت سے لوگوں نے ان کو اپنا ہم عقیدہ و ہم مسلک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱- ایک پاکستانی قلمکار ڈاکٹر معین الدین عقیل نے ''نجدی تحریک اور اقبال'' کے عنوان سے اپنے ایک مقالہ میں اقبال کی کتاب ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اقبال ابن عبدالوہاب نجدی کی تحریک وہابیت سے بہت متاثر تھے اور اس تحریک کے نظریات و مقاصد کے بیشتر حصہ سے متفق تھے[۱] لیکن حیرت کے ساتھ یہ بھی ملاحظہ کیجئے کہ اسی مقالہ میں حاشیہ پر یہ نوٹ بھی موجود ہے:-

''سید نذیر نیازی نے ان کا ایک خیال اس ضمن میں حاشیہ میں نقل کیا ہے جس کے مطابق ''وہابیت'' ان کے نزدیک وہ غلط فرقہ بندی تھی جس کے متشددانہ عقائد اور تنگ نظری نے سیاست میں ایک نہایت غلط روش اختیار کر رکھی تھی'' [۲]

اب اقبال صاحب کو مولویان نجد کی نگاہوں میں دیکھئے۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادری (لاہور)، اقبال کی کتاب ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامی'' اور نجدی

---

[۱] ماہنامہ قومی زبان کراچی نومبر ۱۹۸۱ء ص ۳۲ [۲] ایضاً ص ۳۹ بحوالہ ''اقبال کے حضور''

مولویوں کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں:-

''روزنامہ نوائے وقت لاہور میں جناب محمد امین کا ریاض سے بھیجا ہوا مراسلہ چھپا تھا جس کا عنوان ہے:- سعودی عرب میں اقبالیات کا ابلاغ؛ ان کا بیان ہے کہ ۱۹ نومبر ۱۹۸۰ء کو ریاض یونیورسٹی میں اسلامی فکر کی ''تجدید'' کے عنوان سے ایک سیمینار ہوا جس میں سعودی عرب کے سب سے بڑے مذہبی رہنما شیخ عبدالعزیز بن باز، معروف مصری مفکر محمد قطب (سید قطب شہید کے بھائی)، سوڈان کے ڈاکٹر جعفر شیخ ادریس اور معروف مؤلف اور روشن نظر عالم دین جناب محمد صباغ نے خطاب کیا۔ سیمینار کے آخر میں سوال و جواب کا ایک پروگرام ہوا اور اس نشست کا آخری سوال اقبال کی کتاب ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامی'' کے بارے میں تھا جس کا عربی ترجمہ ''تجدید التفکیر الدینی فی الاسلام'' کے نام سے موجود ہے۔ ڈاکٹر شیخ جعفر ادریس نے تسلیم کرنے کے باوجود کہ اس کتاب میں کچھ باتیں قابل اعتراض ہیں معتدل موقف اختیار کیا لیکن استاد صباغ نے اقبال پر شدید تنقید کی اور کہا: اس کتاب کی عبارتیں گمراہ کن ہیں بلکہ اس میں بعض باتیں کفر تک پہنچانے والی ہیں۔ یہ انتہائی خطرناک کتاب ہے اور طلبہ کو اس سے متنبہ رہنا چاہئے۔ انہوں نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ ایسی کتابیں بغیر تعلیق اور حواشی کے نہیں چھپنی چاہیئے۔

مراسلہ نگار لکھتے ہیں۔

''سوء اتفاق سے جناب محمد قطب نے بھی استاذ صباغ کی تائید کی اور کہا کہ اس کتاب کا پڑھنا عام طلبہ کے لئے خطرہ سے خالی نہیں۔ اس میں بہت سی باتیں خلاف حقیقت ہیں نیز یہ کہ اقبال مغربی فلسفہ اور خاص کر جرمن فلسفہ سے متاثر ہے اور تصوف کے بعض غیر اسلامی نظریوں کا قائل ہے۔ کیا ''البریلویہ'' کے مصنف اور تقدیم نگار یہ وضاحت کریں گے کہ شاعر اسلامی [1] شاعر رسالت

---

[1] علامہ عبدالحکیم شرف قادری: اندھیرے سے اجالے تک ص ۵۲-۵۳ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۵ء

محمدیہ ؎۱ کے بارے میں یہ رویہ کیوں اختیار کیا گیا اور شیخ عبدالعزیز اور دیگر اسکالروں سے یہ فتوے سن کر اختلاف کیوں نہ کیا؟ کیا نجدی علماء کا اجماع سکوتی ہوگا؟ پھر تصوف کے ان غیر اسلامی نظریوں کی وضاحت ہونی چاہئے جنکا اقبال قائل ہے۔'' ؎۲

ان نجدی مولویوں نے تصوف اقبال کو غیر اسلامی اسلئے کہا کہ ان کے تصوف کا بنیادی نقطہ ہے خوف الٰہی اور محبت رسالت پناہی۔ محبت رسول ہی ایمان ہے اور سرکار ﷺ سے متعلق حسب ذیل عقائد:۔

(۱) نور (۲) عالم کی اصل (۳) حاضر و ناظر (۴) حیات النبی (۵) علم غیب (۶) معراج جسمانی (۷) شفاعت (۸) تصرفات واختیارات وغیرہ نیز سرکار ابد قرار ﷺ کے صحابہ، ان کی امت کے صلحاء و اولیاء وغیرہ کے کرامات پر ایمان وعقیدہ! اور یہ صرف تصوف اقبال ہی کا بنیادی نقطہ نہیں بلکہ تصوف کا عام اصول ہے اور ویسے بھی تصوف نجدی عقیدے کا قاتل ہے اس لئے ان گستاخان خدا و رسول کو تصوف سے سخت نفرت ہے لہٰذا نجدی مولویوں نے اسے اپنے دھرم اور عقیدے کے مطابق ''غیر اسلامی'' قرار دے دیا۔

اقبال کا مذہب

قاضی محمد عدیل عباس (ہندی نگریسی لیڈر) نے اپنے ایک مقالہ

؎۱ عطیہ محمد سالم (البریلویہ از احسان الٰہی ظہیر کا تقدیم نگار) نے اقبال کو ''اسلامی پاکستانی'' شاعر محمد اقبال کہا (تقدیم میں) اور البریلویہ کے مصنف احسان الٰہی ظہیر نے البریلویہ میں اقبال کو ''شاعر رسالت محمدیہ'' لکھا ہے اب انہیں کے بڑے مولویان نجد اقبال کو کنڈم کرتے ہیں لہٰذا اس پر علامہ عبدالحکیم شرف قادری نے لطیف طنز کیا ہے کہ ایسے میں اسلامی شاعر کی تصنیف کو طلبہ کے لئے خطرناک اور خلاف اسلام کیوں کہا گیا؟ گویا ڈاکٹر اقبال کے افکار نجدیوں کے عقیدے کے خلاف تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ اقبال نجدیوں کے ہم عقیدہ وہم مسلک ہرگز نہیں تھے۔

؎۲ اقبال کا مذہب مشمولہ ''مطالعۂ اقبال'' ص ۱۶ (مقالہ)، اتر پردیش اردو اکیڈمی لکھنؤ۔

بعنوان ''اقبال کا مذہب'' میں اقبال کے عقیدہ و مذہب پر طویل بحث چھیڑی ہے۔ قاضی صاحب نے علماء یا مذہبی شخصیات کے بجائے ادبی شخصیات مثل پروفیسر رشید احمد صدیقی، پروفیسر آل احمد سرور، علی سردار جعفری، ڈاکٹر تاراچند وغیرہ کے اقوال پیش کئے ہیں اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ ''اقبال شاعر کا مذہب اسلام تھا''[۱] اس کے بعد عباسی صاحب ''کلام اقبال کی اندرونی شہادت'' کے عنوان سے اقبال کے مذہب کا جائزہ پیش کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ ''اس کا مذہب اسلام تھا لیکن بات اگر یہیں ختم ہو جانے والی ہوتی تو اس موضوع کو زیر بحث لانے کی ضرورت نہ تھی لیکن ''اسلام'' کا لفظ اب ابہام کا شکار ہو گیا ہے اور سوال کا جواب اگر صرف اسلام دیا جائے تو جواب تشنہ رہ جائے گا۔ اس لئے مزید تفصیل دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔ اس بناء پر دیکھنا ہوگا کہ اقبال سنی تھے یا شیعہ، اگر سنی تھے تو کس گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حنفی، شافعی، مالکی، یا حنبلی یا اہلحدیث، اور شیعہ تھے تو کس فرقے سے وابستہ تھے۔ اقبال صوفی تھے یا متقشف عالم! تصوف اور خانقاہیت کے بارے میں ان کے نظریات کیا تھے؟ اسی طرح قادیانیت اور معتزلہ اصولوں کے بارے میں ان کے کیا خیالات تھے، کیا تہذیب حاضر کی چمک دمک سے خائف و متاثر ہو کر انہوں نے اسلامی نظریات کی دور از کار تاویلات تو نہیں کیں۔

اسکے بعد مسٹر عدیل عباسی نے ''کیا اقبال شیعہ تھے''؟ کے عنوان سے بھی بحث کی ہے اور آخر میں یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ شیعہ یا تفضیلی تو نہیں تھا البتہ ''اقبال شیعہ سنی اتحاد کا عظیم مبلغ ہے''[۲] یہ عباسی کا اپنا خیال ہے مسٹر عباسی یہ تو اقرار کرتے ہیں کہ اقبال سنی تھے لیکن آیا وہ مقلد تھے یا نہیں؟ تو خود سے لکھ مارتے ہیں کہ ''وہ خود مجتہد تھا اتباع و تقلید سے بے نیاز''[۳] عباسی نے اقبال کے نظریہ ''وحدت الشہود'' پر بھی بحث کی ہے مگر وہ اقبال کے عقیدہ و مسلک کو واضح نہیں کر سکے ہیں۔ مسٹر عباسی اپنے

---

۱ اقبال کا مذہب'' مشمولہ مطالعہ اقبال ص ۱۸، اتر پردیش اردو اکاڈمی لکھنؤ۔

۲ مقالہ ''ایضاً ۲۳۔ ۳ مقالہ ''ایضاً ۲۵۔

اسی مقالہ میں عجیب طرفہ تماشا دکھاتے ہیں اور لکھتے ہیں:-

''بطور مدح کہیں امام مالک اور کہیں امام شافعی کا ذکر آتا ہے لیکن آئمہ اربعہ میں سے کسی کی اتباع کا اشارہ تک نہیں ہے۔ کتاب وسنت سے ہی ان کو واسطہ تھا اور وہ قرون اولیٰ کے مبلغ تھے اور خود مسائل کے مجتہد اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اقبالؔ نے شریعت میں کوئی اپج یا کوئی فکری ترمیم کی۔ ان کے عقائد و اعمال کا نچوڑ یہ تھا کہ

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر باونہ رسیدی تمام بولہبی ست[1]

گویا کہ ایک طرف تو مجتہد اور کسی کا مقلد بھی نہیں بتاتے ہیں دوسری طرف کتاب و سنت اور قرون اولیٰ کے اسلام کا مبلغ بھی اور پھر فرماتے ہیں کہ دین میں کوئی اپج یا فکری ترمیم نہیں کی۔ اس پر بھی اقبالؔ پر مجتہد کا لیبل لگاتے ہیں۔

ڈاکٹر تاراچند بھی اقبالؔ کو مسلمانوں کے ہر فرقہ کو متحد کرنے والا مبلغ اور قائد بتاتے ہیں۔[2] عدیل عباسی اور تاراچند نے کلام اقبالؔ ہی کی روشنی میں اقبالؔ کے مذہب کا جائزہ لیا ہے۔ ان کی زندگی اور شخصیت کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کو یکسر نظر انداز کردیا ہے۔

ایک مقام پر اقبالؔ نے خود لکھدیا ہے

اقبالؔ بھی اقبالؔ سے آگاہ نہیں ہے

کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے

تو جب خود اقبالؔ اپنے آپ کو نہیں سمجھ سکے (کلام کی بنیاد پر) تو دوسرے انہیں کیسے سمجھ سکیں گے۔ اقبالؔ نے ''رام'' ''نیا شوالہ'' ''بدھ'' ''نانک'' ''بھرتھری ہری'' ''طالسطائی'' ''ہیگل'' ''شیکسپیر'' ''گوئٹے'' ''برگساں'' ''بائرن'' ''براؤننگ'' ''مارکس'' ''لینن'' ''لانگ فیلو'' ''آئن سٹائن'' پر بھی نظمیں لکھی ہیں تو اس کا یہ

---

[1] مقالہ ''اقبالؔ کا مذہب'' مشمولہ مطالعہ اقبالؔ ص ۲۵،

[2] ڈاکٹر تاراچند: تاریخ تحریک آزادی ہند جلد سوم ص ۳۴۹ (ملخصاً)

مطلب نہیں کہ وہ ان سب کے افکار ونظریات اور عقیدہ و مذہب پر یقین رکھتے تھے۔

یہ صرف شاعری ہے وہ بھی اقبال جیسے فلسفی کی۔ اقبال نے سماج اور دنیا کے مختلف شخصیات، حالات وواقعات، افکار ونظریات کو موضوع سخن بنایا ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر جگن ناتھ آزاد کی تحریر دیکھنے لائق ہے۔ لکھتے ہیں:-

"ان کا (اقبال کا) محرک ایک تو وہ درد انسانی ہے جس سے اقبال کی شخصیت عبارت تھی، دوسرا حالات حاضرہ پر ان کی گہری نظر، تیسرا ان کی بصیرت یا فراست جس کی بدولت انہوں نے ۱۹۰۷ء میں شعر کہے تھے۔

دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی مکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرکم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ روس میں اتنا بڑا انقلاب نمایاں ہو اور اقبال ایسا حساس فنکار اس سے متاثر ہی نہ ہو۔ لیکن متاثر ہی ہونا اور بات ہے اور اپنا نظریہ اور عقیدہ اسکی نذر کر دینا دوسری بات ہے۔ اقبال اس انقلاب سے صرف متاثر ہی ہوئے ہیں اور متاثر ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلام بھی ملوکیت اور سرمایہ داری کا دشمن ہے اور انقلاب روس نے بھی ملوکیت اور سرمایہ داری کو اپنا نشانہ بنایا ورنہ جہاں تک مارکس کے نظریۂ اشتراکیت کا تعلق ہے اقبال کیلئے اس نظریہ کو قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیوں کہ ایک اشتراکی کے لئے خدا، روح اور مذہب تینوں سے انکار لازمی ہے۔[1]

ڈاکٹر جگناتھ آزاد نے اپنی اس تحریر سے جس طرح یہ ثابت کیا ہے کہ انقلاب روس سے متاثر ہونے کے باوجود وہ نہ تو کارل مارکس کے خوشہ چین تھے نہ ہی اشتراکی بلکہ خالص مسلمان تھے اسی طرح اسی تحریر کی روشنی میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے انہوں نے رام، نانک، نیا شوالہ وغیرہ پر نظمیں کہی

---

[1] جگناتھ آزاد: اقبال اور مغربی مفکرین ص ۷۵

ہیں لیکن اسکا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ وہ ان کے عقائد کے ماننے والے تھے۔

۱۹۲۴ء کے بعد کی اقبال کی شاعری وطنی محبت اور کسی اور طرح کی غیر اسلامی شاعری سے آزاد عشق رسول کی سرشاری اور اسلام کی شاعری ہے۔ اور ایسی توفیق کسی بدعقیدہ یا بدمذہب کو نہیں ملا کرتی۔

اقبال کے ''شکوہ'' کے تعلق سے بھی معترضین ان پر کفر کا حکم عائد کر سکتے ہیں۔ اور بعض نے ایسا کیا بھی ہے لیکن ان کا ''جواب شکوہ'' خود ان کے ''شکوہ'' کا رد اور ایک طرح سے ''توبہ نامہ'' ہے اور وہ اس ''جواب شکوہ'' کی وجہ سے ہر طرح کے اعتراض اور شرعی گرفت سے بری ہو جاتے ہیں۔ اقبال کا ''شکوہ'' اور جواب ''شکوہ'' ایک ڈرامائی انداز کی شاعری ہے۔

آج کا دور دیکھئے کہ مسلمان اپنی دین بیزاری، بے راہ روی اور بے عملی نیز غیروں کی تقلید میں صرف دنیا کے پیچھے بھاگ رہا ہے اور اپنی حیرانی و پریشانی، ذلت و رسوائی اور ناکامی کا خود کو ذمہ دار نہ ٹھہرا کر اللہ عزوجل سے ہی شکایت کرتا رہتا ہے۔ انہیں سچائیوں کو اقبال نے ''شکوہ'' میں پیش کیا ہے اور پھر ''جواب شکوہ'' لکھ کر مسلمانوں کو ان کی اپنی دین بیزاری، زخم خوردگی اور بیمار ذہنیت کا آئینہ دکھایا ہے کہ ہر پریشانی و ناکامی اور بے وقعتی اور ذلت کے ذمہ دار تم خود ہو۔ اور آخر میں دنیوی اور اخروی کامیابی کا راز یہ کہکر عیاں کر دیا ہے کہ ؎

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح قلم تیرے ہیں

حضور جان نور ﷺ سے وفاداری کا پیغام دیکر اقبال نے ثابت کر دیا کہ حضور ہی اصل ہیں، وہی ایمان ہیں، جان ایمان ہیں اور انہیں کی غلامی کامیابی و کامرانی کی کلید ہے۔

کوئی بدعقیدہ اس طرح کا پیغام دے ہی نہیں سکتا سوا ایک صحیح العقیدہ مسلمان کے۔ ڈاکٹر اقبال کے ہاں صدیق اکبر، فاروق اعظم، مولیٰ علی، حسنین کریمین

سیدہ فاطمہ، حضرت بلال، سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی، شیخ علی ہجویری، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت محبوب الٰہی دہلوی، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر، شیخ محمد غوث گوالیاری، حضرت صابر کلیری، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت مولانا روم رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ کے نیاز مندانہ تذکرے ملتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ خود سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے۔

کیا صحابہ واہل بیت اور اولیاء کا نیاز مند اور سلسلۂ قادریہ کا کوئی مرید بد عقیدہ یا صلح کلی ہو سکتا ہے؟ نہیں! البتہ اقبالؔ وسیع المشرب ضرور تھے۔ سلیمان ندوی، خواجہ حسن نظامی، اکبر الہ آبادی، غلام رسول مہر وغیرہ اور دوسرے مکاتب فکر کے لوگوں سے ان کے روابط ضرور تھے لیکن اسکا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ وہ سواد اعظم سے کٹے ہوئے تھے۔

دیوبندی عقائد سے اقبالؔ کی نفرت و بیزاری

وہابیان ہند نے بڑی چالاکی سے اقبالؔ کو دیوبند کے عناصر اربعہ مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی اشرفعلی تھانوی، مولوی قاسم نانوتوی، وغیرہ کے عقائد باطلہ سے بے خبر رکھنے کی کوشش کی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے قریب نہ ہونے دیا۔

اب یہ واقعہ ملاحظہ کیجئے اور پھر اقبالؔ کی تڑپ دیکھئے:

مولانا تقدس علی خاں رحمۃ اللہ علیہ (حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں قدس سرہٗ کے داماد) حضرت حجۃ الاسلام اور ڈاکٹر اقبالؔ کی ملاقات کا واقعہ بیان کرتے ہیں:

"غالباً یہ ۱۹۳۴ء کا واقعہ ہے جبکہ مسجد وزیر خاں کے آخری فیصلہ کن مناظرہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ حضرت حجۃ الاسلام (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے خلف اکبر) قبلہ قدس سرہٗ بہ نفس نفیس لاہور تشریف لے گئے تھے اور مولوی اشرفعلی تھانوی کو

خصوصی دعوت فکر دینے کے لئے ڈبہ ریزرو کر کے ان کی آمد کا انتظام کیا گیا تھا لیکن باوجود اصرار کے وہ نہیں آئے۔ اس موقع پر کسی مقام پر حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کی ملاقات ہوئی۔ حضرت حجۃ الاسلام نے دیوبندیوں کی گستاخانہ عبارتیں اقبال کے سامنے پڑھیں تو ڈاکٹر صاحب نے بے ساختہ کہا کہ مولانا یہ ایسی عبارات گستاخانہ ہیں کہ ان لوگوں پر آسمان کیوں نہیں ٹوٹ پڑتا؟ ان پر تو آسمان ٹوٹ پڑنا چاہیے۔"[۱]

ڈاکٹر اقبال کا یہ کہنا کہ "یہ ایسی عبارات گستاخانہ ہیں کہ ان لوگوں پر آسمان کیوں نہیں ٹوٹ پڑتا، ان پر تو آسمان ٹوٹ پڑنا چاہیے۔" عقائد وہابیہ دیوبندیہ سے ڈاکٹر اقبال کی سخت نفرت و بیزاری کا اظہار ہے اور اس امر کا غماز کہ وہ گستاخان رسول سے سخت متنفر اور رسول کریم ﷺ کے عاشق تھے۔

مولوی حسین احمد کی گرفت

مولوی حسین احمد دیوبندی نے جب یہ آواز بلند کی کہ :- "قومیں اوطان سے بنتی ہیں" ڈاکٹر اقبال مرحوم نے ان کی سخت گرفت کی اور صاف فرمادیا۔

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد ایں بو العجبی ست
سرود برسر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر از مقام محمد عربی ست
بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست[۲]

لیکن دیوبندی صاحبان کی کذب بیانی دیکھئے کہ وہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے ان

---

۱ مولانا محمد تابش قصوری: دعوت فکر ص ۲۵ مطبوعہ مرید کے شیخوپورہ (پاکستان) ۱۹۸۳ء

۲ اقبال: ارمغان حجاز

اشعار کو غلط فہمی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور انہیں اپنا ہم مسلک وہم عقیدہ ثابت کرنے سے باز نہیں آتے۔

بہر حال ڈاکٹر اقبال کا صحیح العقیدہ مسلمان ہونا ثابت ہے۔ وہ غیر مقلد تھے نہ مجتہد، نہ معتزلہ نہ قادیانی، نہ وہابی اور دیوبندی، وہ ہر گستاخ رسول سے متنفر اور بیزار تھے۔

عدیل عباسی نے شیعہ سنی اتحاد کے سلسلے میں اقبال کے جو حسب ذیل اشعار پیش کئے ہیں ان سے کہیں بھی ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔

ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتہ سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و ملت ہے فقط حفظ حرم کا اک ثمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابہ خاک کا شغر
تاخلافت کی بنا دینا میں ہو پھر استوار
لاکہیں سے ڈھونڈھ کر اسلاف کا قلب وجگر
اے کہ نہ شناسی خفی راراز جلی ہشیار باش
اے گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش[1]

''خضرراہ'' میں ''دنیائے اسلام'' کے تحت لکھے ان اشعار میں ڈاکٹر اقبال نے تو مسلمانوں کو سیاست چھوڑ کر دین میں کلی طور سے داخل ہونے، ملت اسلامیہ کے اتحاد، خلافت اسلامیہ کی استواری، اسلاف کے جذبہ کی حرارت پیدا کرنے نیز تفضیلیت سے ہشیار رہنے کا پیغام دیا ہے۔

اقبال پر فتوائے کفر کی صفائی

---

[1] عدیل عباسی، مقالہ ''اقبال کا مذہب'' شمولہ مطالعہ اقبال ص ۲۳، ۲۴

کچھ مفتی صاحبان نے اقبال پر کفر کا فتویٰ عائد کیا ہے لیکن یہ فتویٰ بریلی شریف سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا یا ان کے صاحبزادگان وغیرہ کی طرف سے جاری کیا گیا ہوتا تو پھر لاہور میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے خلف اکبر حضرت حجۃ الاسلام ڈاکٹر اقبال سے ملنا کیسے گوارا کر لیتے؟

امام احمد رضا اور اقبال کی ملاقات

امام احمد رضا کے مرید حضرت مانا میاں قادری مرحوم پیلی بھیتی لکھتے ہیں:-

''انجمن نعمانیہ ہند، لاہور پورے پاک و ہند میں وہ پہلی مذہبی انجمن تھی جس کے علمی اور تبلیغی کارنامے تاریخی حیثیت رکھتے تھے۔ انجمن ہی کے ایک اجتماع میں اعلیٰ حضرت سے علامہ اقبال نے نیاز حاصل کیا تھا اور اپنی ایک نعت اعلیٰ حضرت کو سنائی تھی جسے آپ نے پسند فرمایا تھا''[۱] مولانا سید نور محمد قادری صاحب نے بھی حجۃ الاسلام اور ڈاکٹر اقبال کی ملاقات کی تصدیق مولانا تقدس علی خاں علیہ الرحمہ کے حوالے سے کی ہے[۲] اقبال سے امام احمد رضا اور ان کے خلف اکبر حجۃ الاسلام کی لاہور میں ملاقاتوں سے ظاہر ہے کہ ان حضرات نے اقبال کے خلاف کسی طرح کا فتویٰ نہیں عائد کیا تھا۔

ہوسکتا ہے کوئی کہدے کہ بعد میں امام احمد رضا کے خلف اصغر حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب قدس سرہٗ نے اقبال کے خلاف فتویٰ عائد کیا ہو تو اس کی بھی صفائی اس واقعہ سے ہو جاتی ہے:-

''۱۹۶۷ء میں ایک صاحب نے اقبال کے کفر کی بابت استفسار کیا تو حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ جس نے یہ شعر:-

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

۱۔ مانا میاں: سوانح اعلیٰ حضرت بریلوی ۱۹۷۰ء مطبوعہ کراچی ص ۵۷

۲۔ دار العلوم انجمن نعمانیہ کا تعارف ص ۲۲

کہا ہو میں اسے کافر کیسے کہہ سکتا ہوں؟''

یہ واقعہ راقم کے سامنے کا ہے اور مفتی دارالعلوم منظر اسلام مولانا مفتی محمد فاروق صاحب اس بات کے گواہ ہیں۔ ڈاکٹر اقبال تجدید کے قائل تھے نہ کہ اجتہاد کے اور نہ ہی مجتہد و مجدد تھے نہ ہی غیر مقلد۔ وہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز سے بہت متاثر تھے اور اپنے زمانے میں مجدد صاحب علیہ الرحمہ ہی کی طرح کے مرد حر کی تلاش میں تھے۔ ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''اقبال کو اس حقیقت کا زبردست احساس تھا کہ حضرت مجدد کے بعد تین سو سال سے ایسا مرد حر پیدا نہیں ہوا جو افراد ملت میں آزادی و حریت اور ایمان و عشق کی روح پھونک دے۔ ان کو یہ بھی احساس تھا کہ علماء تقلید کی طرف مائل ہیں (یہاں تقلید سے مراد تقلید ائمہ مجتہدین نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے کی نقالی ہے) اور کوئی ایسا عالم نہیں جو علم میں توسن تحقیق دوڑائے۔ اقبال کو حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیمات میں مادیت کے اس تاریک دور میں روشنی اور نور نظر آرہا ہے۔ وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ نوع انسانی کے مسائل کا صحیح حل اور اس کے درد کا مداوا ایک مرد حر کے پاس ہے، اسی لئے کس حسرت سے فرماتے ہیں۔

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
ترے پیمانے میں ہے ماہ تمام اے ساقی![1]

''اپنے زمانے اور اگلے وقتوں کا نور'' ''علم کو عشق کا ہم صفیر بنانے والا مرد حر'' ''عبد مصطفےٰ امام احمد رضا'' عہد اقبال ہی میں ابھر کر سامنے آگیا تھا مگر افسوس کہ امام احمد رضا کے مخالفین نے اقبال جیسے دانشور کے عقابی نظروں سے امام احمد رضا کی عبقری شخصیت اور ان کی تصانیف سے اوجھل رکھنے میں تمام تر ابلیسی ہتھکنڈوں سے کام لیا۔ اقبال نے امام احمد رضا کو دیکھا تو بس اسی قدر:۔

''وہ بیحد ذہین اور باریک بیں عالم دین تھے، فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا،

[1] پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد: حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر اقبال، ص ۴٦

ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرور اور پاک و ہند کے تابعۂ روزگار فقیہ تھے، ہندوستان کے اس دور متاخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ بمشکل ملیگا،،[۱] یا پھر بقول حضرت مانا میاں قادری مرحوم:-

،،اقبال نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو اپنی نعت بھی سنائی اقبال نے مصرعۂ رضا:

خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

پر دو شعر:-

تماشا تو دیکھو کہ دوزخ کی آتش
لگائے خدا اور بجھائے محمد ﷺ

تعجب تو یہ ہے کہ فردوس اعلیٰ
بنائے خدا اور بسائے محمد ﷺ [۲]

پھر بقول عابد نظامی:-

،،علامہ اقبال نے شروع میں جو نعتیں لکھی ہیں ان میں مولانا احمد رضا کی نعتوں کا اثر صاف جھلکتا ہے،،[۳]

ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم صاحب صدر شعبۂ اسلامیات ہمدرد یونی ورسٹی نئی دہلی تحریر کرتے ہیں:-،،اقبال نے منظم طور پر جب اپنے افکار و معتقدات کو الٰہیات ،،اسلامی کی تشکیل جدید،، کے عنوان سے مرتب کیا اس وقت امام احمد رضا الرحمٰن الرحیم کی جوار رحمت میں پہنچ چکے تھے مگر جس زمانے میں علامہ اقبال اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرما رہے تھے ان دنوں امام احمد رضا بقید حیات تھے۔علامہ اقبال جیسے دانش ور کی عقابی نظروں سے امام احمد رضا کی علمی شخصیت اور ان کی علمی کتابیں او جھل رہ گئیں۔اس سلسلے میں جہاں تک میرا اپنا نقطۂ نظر ہے کہ علامہ اقبال کو امام احمد رضا

---

[۱] مقالات یوم رضا حصہ سوم ص ۱۰۔ [۲] نوادر اقبال۔ سرسید بکڈ پو علی گڑھ ص ۲۵۔ [۳] ماہنامہ درویش، لاہور

سے دور رکھنے میں فاضل بریلوی کے مخالفین کا زیادہ ہاتھ ہے ورنہ اقبال جیسے علم وفن کے رسیا سے امام احمد رضا کی شخصیت پردۂ خفا میں رہ جائے بات سمجھ میں نہیں آتی (ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اقبال جانبین کو خوش رکھنا چاہتے تھے اس لئے جانتے ہوئے بھی رابطہ نہ کیا ہو)

بہر حال اسے کیا کہا جائے کہ اقبال صاحب امام احمد رضا کی تصانیف ''الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المحکمہ لوہاء فلسفہ المشئمہ '' کا مطالعہ نہ کرسکے ورنہ زماں کے باب میں انہیں کسی اور سے رہنمائی کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔[۱]

عقیدۂ اقبال ان کی وصیت کے آئینے میں

۱۹۳۵ء میں اقبال نے ایک دستاویز تیار کی جو ''روزگار فقیر'' جلد دوم مرتبہ فقیر سید وحید الدین صاحب صفحات نمبر ۵۶، ۵۹ پر درج ہے۔ اسکے چند دن بعد اقبال نے ایک اور تحریر کی جو خاص طور سے آپکی اپنے صاحبزادے جاوید اقبال کے نام وصیت ہے۔ اقبال کی یہ تحریر مشہور ماہر اقبالیات محمد عبد اللہ قریشی کے پاس محفوظ ہے۔ تحریر اس طرح ہے:- ''جاوید کو میری عام وصیت یہی ہے کہ وہ دنیا میں شرافت اور خاموشی کے ساتھ اپنی عمر بسر کرے، اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ہمیشہ خوشگوار تعلقات رکھے، میرے بڑے بھائی کی اولاد سب اس سے بڑی ہے ان کا احترام کرے اور اگر ان کی طرف سے کبھی سختی بھی ہو تو برداشت کرلے، دیگر رشتہ داروں کو اگر اس سے مدد کی ضرورت ہو اور اس میں ان کی مدد کی توفیق ہو تو اس سے کبھی دریغ نہ کرے۔ جو لوگ میرے احباب ہیں ان کا ہمیشہ احترام ملحوظ رکھے اور ان سے اپنے معاملات میں مشورہ لیا کرے۔

باقی دینی معاملات میں صرف اسقدر کہنا چاہتوں کہ میں اپنے عقائد میں بعض جزوی مسائل کے سوا جو ارکان دین میں سے نہیں ہیں، سلف صالحین کا پیرو ہوں

[۱] مقالہ، امام احمد رضا اور ڈاکٹر اقبال۔ نظریہ زماں ایک تقابلی جائزہ مشمولہ معارف رضا، کراچی ۱۹۹۰ء

اور یہی راہ بعد کامل تحقیق کے محفوظ معلوم ہوتی ہے۔ جاوید کو بھی میرا یہی مشورہ ہے کہ وہ اسی پر گامزن رہے اور اس بدقسمت ملک ہندوستان میں مسلمانوں کی غلامی نے جو دینی عقائد کے فرقے مختص کر لئے ہیں ان سے احتراز کرے۔ بعض فرقوں کی طرح لوگ محض اس واسطے قائل ہو جاتے ہیں کہ ان فرقوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے دنیوی فائدہ ہے۔ میرے خیال سے بڑا بدبخت ہے وہ انسان جو صحیح دینی عقائد کو مادی منافع کی خاطر قربان کردے۔ غرض یہ ہے کہ طریقۂ اہل سنت محفوظ ہے اور اسی پر گامزن رہنا چاہئے اور ائمہ اہل بیت کے ساتھ عقیدت و محبت رکھنی چاہئے۔ محمد اقبال ، ۱۷/۱۰ اکتوبر ۱۹۲۵ء"۔[1]

تبصرہ:۔ وصیت اقبال سے واضح ہے کہ وہ۔

"صحابہ کرام، اہل بیت اطہار، تابعین، ائمۂ مجتہدین، صلحاء اور اولیاء کے عقیدہ و مذہب کے پیرو تھے یعنی اہل سنت و جماعت سے تھے، مقلد تھے، نو پیدا شدہ فرقوں یعنی قادیانی، اہلحدیث، چکڑالوی، دیوبندی (وہابیت کی مختلف شاخوں) سے متنفر تھے۔ اب چونکہ سنی تھے لہٰذا شیعہ ہونے کا سوال ہی نہیں! اپنے صاحبزادے "جاوید" کو بھی اسی عقیدہ و مذہب پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی تھی۔

اقبالؔ کے عقائد کا جائزہ

"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور اس عقیدہ کا مرکزی نقطہ ہے "محمد رسول اللہ" اس بنیادی عقیدہ کے سلسلے میں اقبال کے تعلق سے پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:۔

"ایک بار اقبال نے راقم الحروف سے فرمایا کہ عقل انسانی کو خدا تک پہنچانے کے بجائے خدا سے دور کرتی ہے۔ سرکار دو عالم کا "ہم پر سب سے بڑا احسان

---

[1] رحیم بخش شاہین: اوراق گم گشتہ ص ۴۶۸، ۴۶۹ مطبوعہ لاہور۔

یہ ہے کہ آپ کے یہ فرمانے سے کہ خدا ہے،ہم نے خدا کا اعتراف کرلیا ورنہ ہم ساری زندگانی خدا پر ایمان لا ہی نہیں سکتے تھے۔"[۱] اقبالؔ کے اس قول سے واضح ہوا کہ حضور علیہ وسلم نے جس طرح اللہ کو ماننے کا حکم دیا ویسا ہی وہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور حضور کو ماننے،ان کی رسالت پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان ہو ہی نہیں سکتا لاکھ وہ "لا اله الله" کہتا رہے یعنی "محمد رسول الله" کے اقرار کے بعد ہی اللہ کی الوہیت و وحدانیت کا اقرار صحیح مانا جاتا ہے اور اسی کو "موحد" اور حقیقی "کلمہ گو" تسلیم کیا جاتا ہے۔

اب حضور علیہ وسلم ہی کو ایمان کی کسوٹی بلکہ ایمان اور ایمان کی جان قرار دیا گیا اور اس روشنی میں حقیقی مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ رسول اللہ علیہ وسلم سے ایسی محبت اور وفاداری کا ثبوت دے اور ان کا ایسا احترام کرے کہ شرک فی النبوت کا شائبہ نہ رہے۔یعنی رسول کریم علیہ التحیۃ والثناء کے متعلق قرآن واحادیث اور اخبار وآثار سے جو عقائد ثابت ہیں انہیں تسلیم کرنا اور وہ حسب ذیل ہیں:-

۱-نور ۲-حاضر و ناظر اور حیات النبی ۳-علم غیب ۴-توسل واستمداد

۵-اختیارات وتصرفات ۶-خاتمیت ۷-معراج جسمانی وغیرہ۔

محبت رسول،احترام رسول اور اقبالؔ

حضور علیہ وسلم کی محبت ہی ایمان ہے،ان کا ادب واحترام اور ان سے محبت و عقیدت کا حکم خود قرآن کریم نے دیا ہے اور حدیث مصطفےٰ سے بھی یہ ثابت ہے۔ رسول کونین علیہ وسلم سے محبت اور احترام کا جذبۂ صادق اقبالؔ کے رگ و پے میں بسا ہوا تھا۔

(۱) غلام بھیک نیرنگ لکھتے ہیں:-

"اقبالؔ کا قلبی تعلق حضور سرور کائنات کی ذات قدسی صفات سے اس قدر

---

[۱] مقالہ،اقبالؔ اور عشق رسول مشمولہ ماہنامہ بصیر کراچی،عید میلاد النبی اڈیشن

نازک تھا کہ حضور کا ذکر آتے ہی ان کی حالت دگرگوں ہو جاتی تھی اگرچہ وہ فوراً ضبط کر لیتے تھے۔ چونکہ میں بارہا ان کی یہ کیفیت دیکھ چکا تھا ان لئے میں نے اس کے سامنے تو نہیں کہا مگر خاص لوگوں سے بطور راز ضرور کہا کہ یہ اگر حضور کے مرقد پاک پر حاضر ہوں گے تو زندہ واپس نہیں آئیں گے وہیں جان بحق ہو جائیں گے۔ میرا اندازہ یہی تھا اللہ بہتر جانتا ہے۔" [1]

(۲) پروفیسر سلیم چشتی رقمطراز ہیں:۔

"مجھے ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۸ء تک ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع بھی ملتا رہا، میں اپنے ذاتی مشاہدے کی بناء پر بھی کہہ سکتا ہوں کہ جب کبھی سرکار دو عالم ﷺ کا نام نامی ان کی زبان پر آیا تو ان کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ اقبالؔ عشق رسول میں اس قدر ڈوب گئے تھے کہ جب عاشقان رسول کا تذکرہ کرتے، اس وقت بھی آبدیدہ ہو جاتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دن مرحوم "علم الدین شہید" (قاتل راجپال) [2] کا ذکر چلا تو علامہ فرط عقیدت سے بیٹھ گئے، آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہنے لگے:

اسیں گلاں کردے رہے تھے ترخاناں دا منڈا بازی مار لے گیا" [3]

حضور ﷺ کے تبرکات سے عقیدت و محبت

عشق کا تقاضا ہے کہ محبوب کی ہر شے سے محبت کی جائے۔ سرکار ابد قرار ﷺ کے تبرکات کی زیارت ان کے عاشق کے لئے معراج دید ہے۔ ڈاکٹر اقبالؔ نے

---

[1] مضمون۔ "اقبالؔ کے بعض حالات" مشمولہ رسالہ "اقبالؔ"، لاہور، اکتوبر ۱۹۵۷ء ص ۳۰۔

[2] راجپال نامی ایک دریدہ دہن نے سرکار ابد قرار ﷺ کی بارگاہ اقدس میں گستاخی کی تھی۔ علم الدین جو ترکھان کا بیٹا تھا، اس نے جب سنا تو تیشہ سے اس کا سر قلم کر دیا۔ علم الدین کو سزائے موت ہوئی اور وہ شہید ہو کر حیات جاودانی پا گیا۔ اقبالؔ اس نوجوان سے بڑے متاثر تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ ہے عشق رسول کا عملی ثبوت۔

[3] مضمون۔ اقبالؔ اور عشق رسول مشمولہ ماہنامہ بصیر کراچی، مئی ۱۹۷۲ء ص ۶۷۔

افغانستان سے واپسی پر قندھار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خرقۂ مبارک کی زیارت کے بعد مندرجہ ذیل اشعار کہے تھے:-

رقصد اندر سینہ از زور جنوں ☆ تازہ راہ دیدہ آید بروں
آمد ماز پیراہن او، بوئے او ☆ داد مارا نعرۂ اللہ ہو

مدنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بوئے مقدس سے سرشار اقبال کا اس اٹل سچائی پر ایمان ہے کہ اگر آقا حضور کی نگاہ کرم ہو تو انسان مرض سے شفایاب ہو جائے۔

پروفیسر صلاح الدین محمد الیاس برنی کے نام۔ ۱۳ر جون ۱۹۳۶ء کے ایک مکتوب میں اقبال تحریر کرتے ہیں :-"وہ تقریباً دو سال سے بیمار تھے۔ ایک شب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی شفایابی کے لئے منظوم فریاد کی۔ صبح سے ہی ان کی آواز میں نمایاں تبدیلی ہوگئی اور رنگ روپ نکھرنے لگا۔"[۱] حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے فالج کے مرض کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منظوم فریاد کی تھی یعنی قصیدہ بنام "الکواکب الدریہ فی مدح خیر البریہ" لکھا تھا اور خواب میں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور انہیں یہی قصیدہ سنایا۔ سرکار علیہ السلام نے ان پر اپنی بردۂ یمانی ڈالدی تو فوراً صحت کاملہ ہوگئی۔ صبح جب علامہ بوصیری بیدار ہوئے تو ایک دم تندرست تھے اور سرکار کی چادر شریف آپ کے بستر پر موجود تھی۔

اس معجزانہ شفایابی کے سبب اس قصیدہ کی شہرت دور دور ہوگئی اور اس کا نام "قصیدہ بردہ" پڑ گیا۔

ڈاکٹر اقبال کا اس واقعہ پر پورا ایمان تھا اور وہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزے پر نازاں تھے"[۲]

احترام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نازک جذبہ

محبّ اپنے محبوب کا نام سن کر مست و سرشار ہو کر اپنے لب چوم لیتا ہے۔

---

[۱] ملخصاً اقبال نامہ حصہ اول ص ۴۱۴،۴۱۳۔ [۲] ملخصاً۔ ایضاً ص ۹۴۔

بھلا ایسے حسین اور مقدس نام کو کوئی بے ادبی سے لے تو وہ کب برداشت کرے گا۔
اقبال حضور ﷺ کے نام پاک کو کسی سے ''محمد صاحب'' سنکر سخت رنجیدہ ہو جاتے تھے۔ [۱]

رسول اللہ ﷺ سے محبت کے دو مزین نمونے

اقبال کی زندگی کا ایک واقعہ ابوالاعلیٰ مودودی اس طرح بیان کرتے ہیں:۔
''پنجاب کے ایک رئیس نے قانونی مشورے کے لئے اقبال کو بلایا اور اپنی شاندار کوٹھی میں ان کے قیام کا انتظام کیا۔ اقبال نے ہر طرف عیش و تنعم کے سامان دیکھے تو دل میں خیال آیا کہ جس رسول پاک ﷺ کی جوتیوں کے صدقہ میں آج ہم کو یہ مرتبے نصیب ہوئے ہیں، اس نے بوریئے پر سو سو کر زندگی گزار دی تھی۔ یہ خیال آنا تھا کہ آنسوؤں کی جھڑی بندھ گئی اور غسل خانے میں ایک چارپائی بچھوا کر اس پر سوئے۔'' [۲] اقبال کو حضور ﷺ سے ایسی محبت و عقیدت تھی کہ وہ ان کی عمر پاک سے زیادہ جینا بھی نہیں چاہتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کو مضطرب دیکھ کر حکیم احمد شجاع نے وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا:۔
''احمد شجاع! یہ سوچ کر میں اکثر مضطرب اور پریشان ہو جاتا ہوں کہ کہیں میری عمر رسول اللہ ﷺ کی عمر سے زیادہ نہ ہو جائے۔ خدا نے اس عاشق رسول کی اس تمنا اور دعا کو قبول فرمایا یعنی اقبال ۶۱ ربرس کی عمر میں فوت ہو گئے۔'' [۳]

میلاد مصطفیٰ (ﷺ)

ڈاکٹر اقبال حضور ﷺ کے میلاد پاک کے انعقاد کے زبردست حامی تھے۔ وہ اسے مسلمانوں کے لئے شرف و سعادت کا باعث سمجھتے ہیں جنوبی ہند میں میلاد النبی

---

۱ مضمون۔ ''رسالت مآب اور اقبال'' از پروفیسر رحیم بخش شاہین مشمولہ رسالہ ''فکر و نظر'' ۱۹۷۶ء ملخصاً

۲ مضمون۔ ''اقبال کی ایک تصویر'' مشمولہ رسالہ ''سیارہ، اقبال نمبر'' ۱۹۶۳ء ص ۱۴۱۔

۳ روزگار فقیر جلد دوم ص ۷۲]

کی تقریب شروع ہونے پر اس طرح اظہار مسرت کرتے ہیں۔ ''مجھے اس اطلاع سے بیحد مسرت ہوئی کہ جنوبی ہندوستان میں یوم النبی کی تقریب کے لئے ایک ولولہ پیدا ہوگیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے لئے رسول اکرم کی ذات مقدس ہماری سب سے بڑی اور کارگر قوت ہوسکتی ہے۔''[1]

۱۹۲۶ء میں لاہور میں عید میلاد مصطفٰے کے جلسے کی صدارت کرتے ہوئے اقبالؔ نے جذبۂ تقلید اور جذبۂ عمل قائم رکھنے کے تین طریقے بتائے:-

۱- درود و سلام جو مسلمانوں کی جزو لاینفک ہے۔ ۲- دوسرا طریق اجتماعی ہے کہ مسلمان کثیر تعداد میں جمع ہوں اور کوئی حضور آقائے دو جہاں ﷺ کی سوانح حیات بیان کرے۔ ۳- تیسرا طریقہ اگرچہ مشکل ہے لیکن بہر حال اس کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ یادِ رسول میں کثرت سے اور ایسے انداز میں کی جائے کہ انسان با قلب بنوت کے مختلف پہلوؤں کا خود مظہر ہوجائے یعنی آج سے تیرہ سو سال پہلے جو کیفیت حضور سرور کائنات ﷺ کے وجود مقدس سے ہویدا تھی وہ آج ہمارے قلب کے اندر پیدا ہوجائے''[2]

توہین رسول کے خلاف جہاد

ڈاکٹر اقبالؔ نے رسول کریم ﷺ کی توہین کرنے والوں کے خلاف عمر بھر جہاد کیا۔ ۱۰ر جولائی ۱۹۳۰ء کو لاہور کی شاہی مسجد میں تقریر کرتے ہوئے اقبالؔ نے کہا :- ''اصل مقصد توہین رسول مقبول ﷺ کا علاج ہے۔ امید ہے کہ آپ اس مقصد کو پیش نظر رکھیں گے اور سب سے پہلے صرف اسی کے لئے جدو جہد کریں گے۔ جدو جہد سے پہلے اپنی تمام قوتیں جمع کرلیں۔''[3] ظاہر ہے توہین رسول ﷺ کے خلاف جہاد وہی کرے گا جو رسول کونین ﷺ کا عاشق صادق اور غلام بے دام ہوگا۔ یہ اسبات کا

---

۱ اقبالؔ نامہ مرتبہ شیخ محمد عطاء اللہ حصہ دوم۔ ۲ اثار اقبالؔ از غلام دستگیر رشید ص ۳۰۶۔

۳ روز گار فقیر جلد دوم ص ۷۲۔

غماز ہے کہ اقبالؔ رسول کائنات کے سچے عاشق اور عبد صادق تھے۔ وہ گستاخان مصطفےٰ کی سرکوبی کرنے والوں پر فخر اور ان کے مقدر پر ناز کرتے تھے۔ ''غازی علم الدین شہید'' کا واقعہ تو پیش کر ہی دیا گیا ہے کہ جس کی فیروز بختی پر فخر و ناز کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا'' وہ اسی گلاں کردے رہے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا''

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ملاحظہ کیجئے:-

۱۹۳۳ء میں آریہ سماج کے سکریٹری نتھورام نے ہسٹری آف اسلام (History of Islam) شائع کی جس میں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں سخت گستاخی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس پر مسلمانوں نے کورٹ میں کیس کر دیا تھا۔ ضلع ہزارہ (سرحد۔ پاکستان، اس وقت کے متحدہ ہندوستان) کے ایک غیر تمند نوجوان کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے کراچی آ کر مقدمہ کی سماعت کے دوران نتھورام پر چاقو سے حملہ کر کے اسے واصل جہنم کر دیا۔ اس نوجوان کا نام عبدالقیوم تھا جسے اب ''غازی عبدالقیوم'' نام سے یاد کیا جاتا ہے، غازی عبدالقیوم پر مقدمہ چلا اور اسے سزائے موت کا حکم سنایا گیا، سزا سناتے وقت اس نے جس خیال کا اظہار کیا ہے وہ اس طرح ہے:- ''جج صاحب! میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے موت کی سزا دی۔ یہ ایک جان کس گنتی میں ہے اگر میرے پاس لاکھ جانیں بھی ہوتیں تو ناموس رسول پر نچھاور کرتا۔''

مسلمانوں نے غازی عبدالقیوم کو پھانسی سے بچانے کے لئے بڑی کوشش کی اور اس سلسلے میں مسلمانوں کا ایک وفد ڈاکٹر اقبالؔ سے بھی ملا کہ وہ وائسرائے سے سفارش کر کے اس کی سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کرا دیں۔ اس پر ڈاکٹر اقبالؔ نے کہا کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے؟ ارکان وفد نے کہا: نہیں! وہ تو خوش ہے اور کہتا ہے کہ اسے پھانسی سے بچانے کی کوشش نہ کی جائے اس نے تو شہادت خریدی ہے۔ اس پر اقبالؔ نے برہمی سے کہا:

''جب وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے تو میں اس کے اجرو

ثواب کی راہ میں کیسے حائل ہوسکتا ہوں، کیا تم چاہتے ہو کہ میں ایسے مسلمان کے لئے وائسرائے سے سفارش کروں جو زندہ رہا تو غازی ہے اور مر گیا تو شہید ہے؟"[۱] ان دونوں واقعات سے متاثر ہوکر اقبال نے "علم الدین شہید" اور "غازی عبدالقیوم" کو لاہور کراچی" کے عنوان سے یوں خراج تحسین پیش کیا ہے:-

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے فقط عالم کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
حرف لا تدع مع اللہ الٰہا آخر[۲]

تبصرہ:- مندرجہ بالا حوالوں سے ڈاکٹر اقبال کے محبت رسول اور احترام رسول کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اقبال کے عقائد کا جائزہ

حضور ﷺ باعث ایجاد عالم، نور الٰہ اور محبوب الٰہ ہیں، اقبال تحریر کرتے ہیں:-

(۱) ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یاز نور مصطفےٰ اورا بہاست
یاہنوز اندر تلاش مصطفےٰ ست[۳]

(۲) اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری باعث تکوین روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس[۴]

---

۱ گفتار اقبال از محمد رفیق افضل ص ۴۴۔ ۲ ضرب کلیم از ڈاکٹر اقبال۔
۳ ایضاً۔ ۴ "نظم صدیق اکبر" بانگ درا۔

(۳) ہم کو جمعیت خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ امت ترے محبوب کی دیوانی تھی[1]

(۴) ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
بنض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے[2]

(۵) آیہ کائنات کا معنی دیر یاب تو
نکلے تری تلاش میں کائنات ہائے رنگ و بو

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب[3]

(۱) میں اقبال نے حضور ﷺ کو "اللہ کا نور" کہا ہے (۲) میں اقبال نے حضور ﷺ کو "تکوین روزگار" (تکوین عالم کی اصل، باعث ایجاد عالم) کہا ہے (۳) میں اقبال نے حضور ﷺ کو محبوب خدا تسلیم کیا ہے (۵/۴) میں اقبال نے "لولاک لما خلقت الافلاک" کی تشریح کی ہے اور اس طرح حضور کو مادۂ ایجاد عالم تسلیم کیا ہے۔

حاضر و ناظر اور حیات النبی ﷺ کا عقیدہ

اقبال حضور ﷺ کو بعد از وصال بھی ان کی حیات ظاہری کی طرح زندہ سمجھتے تھے۔ وہ نیاز الدین خاں کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ زندہ ہیں اور اس زمانہ کے لوگ بھی اسی

[1] نظم "شکوہ" (بانگ درا) [2] نظم "جواب شکوہ" (بانگ درا) [3] نظم "ذوق و شوق" (بال جبریل)

طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ کرام ہوا کرتے تھے“۔[۱]

علم غیب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر اقبالؔ تحریر کرتے ہیں۔

گرچہ عین ذات را بے پردہ دید
رب زدنی از زباں و چکید
پیش او گیتی جبیں فرسودہ است
خویش را خود عبدہ فرمودہ است

حضور صلی اللہ علیہ وسلم وسیلہ ہیں

ڈاکٹر اقبالؔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا وسیلۂ عظمیٰ مانتے تھے۔ وہ اس حقیقت کے زبردست مبلغ تھے کہ اللہ تک براہ راست رسائی ایک باطل نظریہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت کے بغیر اللہ سبحٰنہٗ تعالیٰ کی معرفت محال ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا بیان پیش کیا جا چکا ہے جو اس طرح ہے:۔ ”ایک بار حضرت اقبالؔ نے راقم الحروف سے فرمایا کہ عقل انسانی کو خدا تک پہنچانے کے بجائے خدا سے دور کرتی ہے۔ سرکار دو عالم کا ہم پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ کے یہ فرمانے سے کہ خدا ہے ہم نے خدا کا اعتراف کر لیا ورنہ ہم ساری زندگی خدا پر ایمان لا ہی نہیں سکتے تھے۔“ [۲] اقبالؔ نے جہاں یہ کہا ہے کہ ”آقا کی نگاہ کرم ہو تو انسان مرض سے شفایاب ہو جائے“ اور جس کا حوالہ ”اقبالؔ کے مکتوب“ ”بنام پروفیسر صلاح الدین“ میں ملتا ہے، سے ثابت ہے کہ اقبالؔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے توسل واستمداد کو جائز مانتے تھے اور ان پر اقبالؔ کا عقیدہ

۱۔ انوار اقبالؔ مرتبہ بشیر احمد ڈار ص ۴۵-۴۶۔

۲۔ ماہنامہ بصیر کراچی عید میلاد النبی (ایڈیشن) ۱۹۷۳ء ص ۶۹۔

تھا۔[1] اقبالؔ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شافع محشر ہیں اور ان کے امتیوں کا نامۂ اعمال سرکار کے سامنے بھی پیش ہوگا۔ چونکہ اقبالؔ اپنے آقا کے سامنے غیرت کے سبب کہ ہائے کیسے آقا کا حکم ٹالا اور دنیا میں بے عملی و سرکار کی پیروی سے دور رہا۔ لہٰذا اللہ عزوجل سے التجا کرتے ہیں کہ اگر روز محشر میرا حساب کتاب بہت ضروری ہو اور مجھے کسی طرح معاف نہ کیا جاسکتا ہو تو میری فرد عمل سرکار دو عالم کی نگاہ سے پوشیدہ رکھی جائے۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذر ہائے فن پذیر

در اگر بینی حسابم ناگزیر
از نگاہ مصطفٰے پنہاں بگیر[2]

اس حوالے سے ثابت ہے کہ اقبالؔ آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "شافع محشر" مانتے تھے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت

سید نذیر نیازی کی روایت ہے کہ۔ "ایک بار ایک صاحب نے اقبالؔ کے سامنے بڑی حیرت کے ساتھ اس حدیث پاک کا ذکر کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب ثلاثہ کے ساتھ احد پر تشریف رکھتے تھے۔ اتنے میں احد لرزنے لگا۔ حضور نے فرمایا: ٹھہر جا تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اس پر پہاڑ ساکن ہوگیا۔"

اقبالؔ نے یہ حدیث شریف سنتے ہی کہا:- اس میں اچنبھے کی کون سی بات ہے میں اس کو استعارہ یا مجاز نہیں بالکل ایک مادی حقیقت سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک، اس کے لئے کسی تاویل کی حاجت نہیں؟ اگر تم حقائق سے آگاہ ہوتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ایک نبی کے نیچے مادے کے بڑے بڑے تو دے بھی لرز اٹھتے

---

[1] اقبالؔ نامہ حصہ اول ص ۲۱۴۔ [2] گفتار اقبالؔ ص ۳۹ + اقبالؔ اور احمد رضا از راجا رشید محمود ص ۷۰۔

ہیں۔ مجازی طور پر نہیں واقعی لرز اٹھتے ہیں۔''[1] ڈاکٹر اقبال کے اس بیان سے ''سرکار کی قدرت'' تو ثابت ہوتی ہی ہے اور سرکار کی قدرت پر ان کا عقیدہ تو ظاہر ہوتا ہی ہے۔ علاوہ اس کے سرکار کے ''علم غیب'' کے عقیدہ کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ انہیں علم تھا کہ حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی کو شہادت حاصل ہوگی۔

خاتمیت

اقبال حضور علیہ ﷺ کو آخری نبی و رسول مانتے ہیں۔ وہ اپنے عقیدہ کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:۔''اسلام کی اجتماعی اور سیاسی تنظیم میں محمد ﷺ کے بعد کسی ایسے الہام کا امکان ہی نہیں جس سے انکار کفر کو مستلزم ہو جو شخص ایسے الہام کا دعویٰ کرے وہ اسلام سے غداری کرتا ہے''[2]

معراج جسمانی

ڈاکٹر اقبال، حضور علیہ ﷺ کے معراج جسمانی اور لامکاں میں ماتھے کی آنکھوں سے ان کے دیدار الٰہی کے قائل تھے۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:۔علامہ معراج مصطفیٰ کو عام صعود روحانی یا نفسی سے مختلف، منفرد، بلند تر اور خاص الخاص تجربہ یا واقعہ سمجھتے ہیں''[3] ڈاکٹر سید اقبال نے اپنے محولہ بالا مضمون ''اقبال اور معراج النبی'' کے آخر میں افکار اقبال کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے:۔

''معراج سے مسلمانوں کے ایمان بالرسالت میں گہرائی پیدا ہوئی اور حضور کی اکملیت اور اشرفیت کا یقین محکم ہوا۔ جہاں بعض دوسرے انبیاء کے آسمانی سفر ایک خاص مقام تک پہنچ سکے وہاں آں حضرت کا سفر نبوت ان کے راستے کی آخری منزل قرار پایا، اسی سے ایقان میں گہرائی پیدا ہوئی اور خدا کی ہستی

---

[1] اقبال کامل ص ۶۴ + جوہر اقبال ص ۳۸۔ [2] قادیانیت اور اسلام بجواب نہرو، بحوالہ ''فیضان اقبال'' از سورش کاشمیری ص ۳۔ [3] قادیانیت اور اسلام بجواب نہرو، بحوالہ ''فیضان اقبال'' از سورش کاشمیری ص ۴

کی محسوس شہادت میسر آئی۔''[1]

خلاصۂ کلام

ڈاکٹر اقبال کے اقوال، تحریرات، اشعار اور حالات زندگی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حسب ذیل عقائد کا اظہار ہوتا ہے یعنی اقبال کے عقائد تھے کہ:-

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور، حبیب اکبر، اصل تکوین عالم، حاضر و ناظر اور زندۂ جاوید رسول ہیں۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی کے وسیلۂ عظمیٰ ہیں، ان سے توسل و استمداد جائز ہے۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم شافع محشر ہیں۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیب داں رسول ہیں۔

(۵) حضور سید دو عالم ہیں اور آخری نبی و رسول ہیں۔

(۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اختیارات و تصرفات کے مالک ہیں۔

(۷) ان کی معراج جسمانی تھی اور انہوں نے رب کائنات کا دیدار کیا۔

علاوہ ان کی وہ ''میلاد النبی'' کے انعقاد، اولیاء کے اختیارات، مزارات پر حاضری وغیرہ کے بھی قائل تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر اقبال کے مسالک میں مماثلث

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور اللہ ہونے، باعث ایجاد عالم ہونے، حاضر و ناظر اور زندۂ جاوید رسول اور خاتم الانبیاء و مرسلین ہوتے، نیز، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل و استمداد، حضور کے معراج جسمانی، سیدنا صدیق اکبر و سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی فضیلت

---

[1] فکر و نظر (سیرت نمبر) اسلام آباد ص ۶۹۷، ۶، ۱۹۷۱ء۔

وغیرہ کے قائل تھے۔[1]

اقبال کے جن عقائد کا جائزہ پیش کیا گیا وہ بھی یہی ہیں لہٰذا دونوں کے عقائد ایک ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے اپنی تالیف ''مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال'' میں دونوں کے فکری مماثلت کا خاکہ اس طرح پیش فرمایا ہے:-

(۱) ''تصوف'' میں دونوں کے فکری اور روحانی ارتقاء کا آغاز ''وحدۃ الوجود'' سے ہوا اور انتہا ''وحدۃ الشہود'' پر ہوئی۔

(۲) دونوں شریعت وطریقت کو ایک دوسرے کا عین سمجھتے ہیں۔

(۳) دونوں رقص وموسیقی کے مخالف ہیں۔

(۵) دونوں تعلیمات نبوی ﷺ کو نوع انسانی کے لئے ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔

(۶) دونوں عشق محمدی ﷺ کو جان ایمان اور جان عبادت سمجھتے ہیں۔[2]

مسلک اعلیٰ حضرت امام احمد رضا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا مسلک جگ ظاہر ہے اور وہ ہے ''تقدیس الوہیت'' یعنی اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ ہر عیب سے پاک ہے، جسم و جسمانیت، زمان ومکان وغیرہ سے مبرا ہے۔ اس کا کلام برحق اور ازلی وابدی ہے۔ وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے وغیرہ۔

نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت عقیدہ

(۱) نور (۲) اصل تکوین عالم (۳) حاضر وناظر اور حیات جاودانی (۴) علم غیب (۵) شفاعت، توسل و استمداد (۶) تصرفات و اختیارات (۷) معراج

---

[1] مسلک مجدد از صاحبزدہ میاں محمد جمیل احمد شرقپوری مطبوعہ لاہور ص ۱۵، ۱۷، ۱۸، ۲۹، ۳۵، ۴۴، وغیرہ۔

[2] حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ص ۲۸، ۳۰، ۸۹، ۹۰۔

جسمانی (۸) میلاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ

صحابہ و اولیاء سے متعلق

فضیلت شیخین (صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما)، اصحاب و اولیاء سے توسل و استمداد، برزخی زندگی، عرس، فاتحہ، نذر و نیاز اور ایصال ثواب وغیرہ۔ امام احمد رضا کی تصانیف ان پر شاہد ہیں۔

مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا کے عقائد و مسالک میں مماثلت

۱- دونوں حضرات اللہ تعالیٰ کو، وحدہ لاشریک، ہر نقص سے پاک، جسم و جسمانیت، زماں و مکاں اور حلول سے مبرا مانتے ہیں، اللہ عزوجل کی صفات کاملہ کو ازلی و ابدی مانتے ہیں۔

۲- دونوں بزرگ سجدۂ تعظیمی کو حرام و گناہ سمجھتے ہیں۔

۳- دونوں مجدد دین اللہ رب العزت کو عالم الغیب مانتے ہیں۔

۴- دونوں صاحبان آخرت میں رویت باری تعالیٰ کے قائل ہیں۔

۵- دونوں حضرات۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ نور، باعث ایجاد عالم، حاضر و ناظر، وسیلہ، اور شفیع مانتے ہیں نیز عقیدۂ حیات کے قائل ہیں۔

۶- دونوں بزرگان دین۔ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج جسمانی، دیدار الٰہی کے قائل ہیں۔

۷- دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار دو عالم، حبیب رب اکبر، سرکار علیہ السلام کی رضا و اطاعت اور محبت کو اللہ کی رضا، اطاعت اور محبت تسلیم کرتے ہیں۔

۸- دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و احترام کو جان ایمان مانتے ہیں۔

۹۔ دونوں شریعت کو اصل اور طریقت کو اس کی فرع مانتے ہیں۔

۱۰۔ دونوں برزخی زندگی اور تصرفات اولیاء کے قائل ہیں۔[1]

تنبیہ ایک فرق

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ والرضوان "وحدۃ الشہود" کو آخری منزل قرار دیتے ہیں اور امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز "وحدت الوجود" کو آخری منزل عرفان سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا غلام مصطفےٰ صاحب مجددی لکھتے ہیں:۔

"یہ اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف حقیقی نہیں، اختلاف اضافی ہے۔ اولاً دونوں بزرگ اس نظریہ کی حفاظت کے قائل ہیں اور اگر خاندان ولی اللہ کی تحقیق کے مطابق "وحدت الوجود" اور "وحدت الشہود" کا فرق محض نزاع لفظی تصویر کیا جائے تو پھر اختلاف اضافی بھی نہیں رہتا تاہم نزاع لفظی کو خاندان مظہریہ کے محققین نے تکلف قرار دیا ہے۔ خاندان چشتیہ کے فرد وحید حضرت "سید مہر علی شاہ" علیہ الرحمہ نے بھی نزاع لفظی کو تسلیم نہیں کیا۔ ہمارا ان صفحات میں ان دونوں بزرگوں کے حوالے سے اس دقیق مسئلہ کی تاریں چھیڑنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے اس کی غیر شرعی تعبیر وتشریح کا رد بلیغ فرمایا ہے اور یہ بزرگ صوفیائے خام کے پھیلائے ہوئے گمراہ کن نظریات کے مقابلے میں قطعی متفق ہیں۔"

تبصرہ

ڈاکٹر اقبالؔ مسلک مجدد کے پیرو تھے اور حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ اور امام احمد رضا قدس سرہٗ کے مسالک ایک ہیں سوا ایک فرق کے یعنی۔ "وحدۃ الشہود" اور "وحدت الوجود" کے لیکن جیسا کہ مولانا غلام مصطفےٰ مجددی نے لکھا ہے کہ یہ اضافی اختلاف ہے[1]!

---

[1] مولانا غلام مصطفےٰ مجددی: مجدد الف ثانی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا (ملخصاً) مختلف صفحات

بہر حال اس اختلاف کے سوا دونوں کے مسالک ایک ہیں یعنی عقائد اہل سنت۔ اور اقبالؔ کا بھی یہی مسلک ہے اور چونکہ امام احمد رضا۔ ۱۴ ارویں صدی ہجری کے مجدد تھے اور فی زمانہ ''مسلک اہل سنت'' کو ''مسلک اعلیٰ حضرت'' سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور ڈاکٹر اقبالؔ امام احمد رضا کے ہم عصر تھے لہٰذا یہ کہنے میں راقم حق بجانب ہے کہ ڈاکٹر اقبالؔ کا مسلک مسلک اعلیٰ حضرت ہی ہے۔

دونوں حنفی قادری تھے۔ علاوہ اس کے دونوں کے سیاسی نظریات بھی ایک تھے یعنی،

دونوں حریت پسند، انگریز اور انگریزی حکومت سے متنفر تھے۔ دونوں نے دو قومی نظریہ پیش کیا۔ امام احمد رضا نے ۱۹۲۰ء میں اور ڈاکٹر اقبالؔ نے ۱۹۳۰ء میں (مسلم لیگ کے الہ آباد کے کانفرنس میں اقبالؔ نے دوقومی نظریہ پیش کیا)۔ نیز دونوں نے عشق رسول کے پیغامات دئے، قوم وملت کو بیدار کرنے کے لئے اور قوم و ملت کی بحالی کی دونوں نے کلید عطا کی۔

ماخذ ومراجع

تصانیف اقبالؔ (۱) ارمغان حجاز (۲) ضرب کلیم (۳) رموز بے خودی (۴) بانگ درا (۵) بال جبریل:۔

دیگر تصانیف (۶) سید نذیر نیازی: اقبالؔ کے حضور (۷) سید نذیر نیازی: اقبالؔ کامل (۸) علامہ عبدالحکیم شرف قادری: اندھیرے سے اجالے تک مطبوعہ لاہور ۱۹۸۵ء (۹) علامہ منشاء تابش قصوری: دعوت فکر مطبوعہ مرید کے، شیخوپورہ ۱۹۸۳ء (۱۰) ڈاکٹر تارا چند: تحریک آزادیٔ ہند حصہ سوم (۱۱) ڈاکٹر جگناتھ آزاد: اقبالؔ اور مغربی مفکرین (۱۲) مطالعہ اقبالؔ: اردو اکادمی، اتر پردیش لکھنؤ ۱۹۸۲ء (۱۳) شیخ عطاء اللہ: مکاتیب اقبالؔ حصہ اول مطبوعہ لاہور (۱۴) شیخ عطاء اللہ: اقبال نامہ جلد اوّل مطبوعہ لاہور (۱۵) حضرت مانا میاں قادری پیلی بھیتی: سوانح

اعلیٰ حضرت بریلوی مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء (۱۶) سید نور محمد قادری : دار العلوم انجمن نعمانیہ کا تعارف (۱۷) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد : حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر اقبال (۱۸) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد : محدث بریلوی مطبوعہ کراچی (۱۹) احسان الٰہی ظہیر : البریلویہ (۲۰) نوادر اقبال : سر سید بکڈ پو، علی گڑھ (۲۱) مقالات یوم رضا حصہ سوم، لاہور (۲۲) فقیر سید وحید الدین : روزگار فقیر جلد دوم (۲۳) محمد رفیق افضل : گفتار اقبال (۲۴) غلام دستگیر رشید : آثار اقبال (۲۵) بشیر احمد ڈار : انوار اقبال (۲۶) سورش کاشمیری : فیضان اقبال (۲۷) راجا رشید محمود : اقبال و احمد رضا (۲۸) صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری : مسلک مجدد مطبوعہ لاہور (۲۹) مولانا غلام مصطفےٰ مجددی : مجدد الف ثانی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا۔

رسائل و جرائد (۳۰) ماہنامہ قومی زبان، کراچی، نومبر ۱۹۸۱ء

(۳۱) رسالہ الفاظ شمارہ اوّل (۳۲) ماہنامہ درویش، لاہور (۳۳) معارف رضا، کراچی ۱۹۹۰ء (۳۴) ماہنامہ بصیر کراچی، عید میلاد النبی اڈیشن اور شمارہ بابت ماہ مئی ۱۹۷۲ء (۳۵) رسالہ اقبال، لاہور، اکتوبر، ۱۹۵۷ء (۳۶) رسالہ فکر و نظر، سیرت نمبر (اسلام آباد) ۱۹۷۶ء (۳۷) رسالہ سیارہ۔ اقبال نمبر ۱۹۶۳ء

